

Al-Mīthāq

(Research Journal of Islamic Theology)

Published by: HIRA *Institute of Social Sciences Research & Development*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 04, October - December 2026, PP 251-265
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article Timeline:	*Received:* 03-10-2026	*Accepted:* 14-11-2026	*Published:* 17-11-2026

Disclaimer:
Responsibility for the accuracy of the stated facts rests solely with the authors. Opinions expressed in *"Al-Mīthāq"* are those of the authors and not necessarily endorsed by either the Editorial board or the Institute.

HIRA INSTITUTE

مادیت پرستی، طبقاتی تفاخر اور قرآن کریم کا منہج اصلاح: سورۃ الکہف کی منتخب آیات کا تجزیاتی مطالعہ

Materialism, Class Arrogance, and Qur'ānic Reform: An Analytical Study of Selectd Verses of Sūrah Al-Kahf

Muhammed Afzal Khan [1]

Abstract

The contemporary global order, heavily influenced by capitalism and materialism, often measures human worth through the lens of economic accumulation and social stratification. Sūrah Al-Kahf provides a profound socio-economic and psychological critique of this mindset through the allegory of the "Companions of the Gardens" and logically connects it to the metaphysical origin of arrogance in the story of Ādam and Iblīs. The Qur'ān highlights how unchecked material prosperity breeds a false sense of self-sufficiency, leading to cognitive secularization, denial of the Hereafter, and class-based oppression. The Prophet ﷺ warned against this destructive nexus of wealth and pride, stating: "Two hungry wolves sent into a flock of sheep do not cause more destruction to them than a person's greed for wealth and status causes to his religion." Employing an analytical and applied methodology, this paper explores the Qur'ānic narrative from the perspectives of behavioral economics and psycho-spiritual pathology. It draws a conceptual parallel between the capitalist's arrogance over his material assets and Iblis's racial pride over his fiery origin. Ultimately, this study extracts a divine economic paradigm rooted in gratitude, ethical consumption, and the realization of the world's transience, offering a robust alternative to modern materialistic despair. For the translation of the Qur'ānic text, the Urdu translation by Maulānā Fateḥ Muhammad Jalandharī has been systematically utilized.

[1]***Corresponding Author***, *PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Peshawar, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.* *muhammadafzalkhan382@gmail.com*

Keywords

Qur'ānic Economics, Capitalist Mentality, Class Pride, Story of the Two Gardens, Iblis and Adam, Psycho-spiritual Pathology, Islamic Sociology

تعارف

انسانی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ وسائل کی فراوانی اور دولت کا ارتکاز انسانی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ جب انسان کو مادی اسباب کی بہتات حاصل ہوتی ہے تو اس کے اندر ایک خطرناک نفسیاتی کیفیت جنم لیتی ہے، جسے قرآنِ مجید نے "استغناء" (خود کفالت کا جھوٹا احساس) قرار دیا ہے۔ دولت انسان کو یہ سراب دکھاتی ہے کہ وہ کائنات کی ہر طاقت سے بے نیاز ہو چکا ہے اور یہی جھوٹا احساس اس کے اندر تکبر، طبقاتی تفاخر اور روحانی زوال کا بیج بو دیتا ہے۔

دورِ جدید کا سرمایہ دارانہ نظام اسی استغناء کی ایک عملی اور ادارہ جاتی شکل ہے۔ اس نظام نے انسانیت کو ایک ایسی دوڑ میں شامل کر دیا ہے جہاں انسان کی قدر و قیمت کا تعین اس کے اخلاق یا روحانی کمال سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بینک بیلنس، جائیداد اور مادی اثاثوں سے کیا جاتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت انسان کو اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر برتری کا احساس دلاتی ہے، جس کے نتیجے میں معاشرہ شدید طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان موجود یہ خلیج انسان کی باطنی دنیا کو ویران کر دیتی ہے۔

سورت کہف میں جہاں نوجوانوں کی فکری اور نظریاتی استقامت (اصحابِ کہف) کا حل موجود ہے، وہیں یہ سورت انسانیت کے معاشی اور نفسیاتی بحران کا بھی ایک انتہائی عمدہ تجزیہ پیش کرتی ہے۔ اصحابِ جنت (باغ والوں) کا قصہ بظاہر دو دوستوں کی کہانی ہے، مگر حقیقت میں یہ جدید سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ایمانی طرزِ فکر کے مابین ایک ابدی مکالمہ ہے۔ اس قصے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح مادی ترقی انسان کو خدا فراموشی کی طرف لے جاتی ہے اور کیسے سرمایہ دار شخص اپنی دولت کے نشے میں آخرت کا انکار کر بیٹھتا ہے۔ پھر اسی سورت میں اس تکبر کی جڑوں کو تلاش کرتے ہوئے اسے ابلیس کے تکبر سے جوڑا گیا ہے، جس نے مٹی کے مقابلے میں آگ کی تخلیق پر فخر کیا تھا۔ یہ دونوں واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ مادی تفاخر اور نسلی یا پیداواری غرور دراصل ایک ہی ابلیسی سوچ کے دو مختلف پہلو ہیں۔

زیرِ نظر تحقیقی مطالعے میں اس قرآنی قصے کو روایتی تفسیری دائروں سے نکال کر جدید معاشیات اور نفسیات کے اصولوں پر پرکھا گیا ہے۔ اس مقالے کا تجزیاتی اور اطلاقی طریقۂ کار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آج کا کارپوریٹ کلچر کس طرح بالکل اسی تکبر کا شکار ہے جو قرآنی تمثیل میں بیان ہوا ہے۔ اس کا مقصد قرآنِ مجید کے معاشی اور اخلاقی فلسفے کی روشنی میں ایک متوازن اور شکر گزاری پر مبنی متبادل نظامِ حیات پیش کرنا ہے۔

معاشی تفاوت اور طبقاتی کشمکش: آیات 32-36 کا تجزیاتی مطالعہ

قرآنِ مجید نے مادی خوشحالی، سرمایہ دارانہ تکبر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے روحانی زوال کی منظر کشی کے لیے دو دوستوں کا ایک انتہائی بلیغ اور استعاراتی خاکہ پیش کیا ہے۔ ایک شخص کو دنیاوی اسباب کی فراوانی ملی اور دوسرے کو ظاہری تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا۔ دو باغوں کا یہ استعارہ اور بہترین معاشی انفراسٹرکچر کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا * كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا۔[1]

"اور ان سے دو شخصوں کی مثال بیان کرو ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عنایت کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ اپنے اپنے

پھل لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر رکھی تھی۔"

ان آیات میں جدید علمِ معاشیات کے کئی اہم پہلو پوشیدہ ہیں۔ سرمایہ دار شخص کی ملکیت میں موجود یہ باغ کسی عام زمین کا ٹکڑا نہیں تھے، بلکہ یہ تنوع اور بہترین زرعی منصوبہ بندی کا شاہکار تھے۔ انگوروں کی بیلیں، کھجوروں کے تناور درختوں کی باڑ اور درمیان میں لہلہاتی کھیتی دراصل آمدنی کے مختلف اور محفوظ ذرائع کی علامت ہیں۔

امام طبریؒ اس معاشی خوشحالی کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ کھجوروں کے درختوں کو باڑ کے طور پر استعمال کیا گیا تاکہ اندر موجود انگور اور کھیتی تیز ہواؤں سے محفوظ رہیں اور یہ ایک انتہائی محفوظ اور منافع بخش معاشی نظام کی تصویر ہے۔[2] پھر نہر کا جاری ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس سرمائے کو سیراب کرنے کے لیے کسی بیرونی مشقت کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اسے ایک خودکار نظامِ آمدنی حاصل تھا۔ اس بے پناہ معاشی استحکام نے اس کے دل میں شکر پیدا کرنے کے بجائے سرمایہ دارانہ تکبر کو جنم دیا۔ اس کا مکالمہ اس کی نفسیاتی بیماری کی عکاسی کرتا ہے:

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا۔[3]

"اور اس کو (باغوں کی) پیداوار (بھی خوب) ملتی تھی۔ تو ایک دن اپنے دوست سے جب وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے (کی رو سے) بھی زیادہ ہوں۔"

لفظ "يُحَاوِرُهُ" ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے غریب دوست کے ساتھ ایک بحث اور مکالمے کی کیفیت میں تھا۔ تکبر کی بنیاد یہ نہیں ہوتی کہ انسان کے پاس دولت موجود ہے، تکبر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اس دولت کو بنیاد بنا کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ جدید دور میں طاقت اور سرمائے کے اسی گٹھ جوڑ کو کارپوریٹ غرور کا نام دیا جاتا ہے۔ "أَعَزُّ نَفَرًا" (جتھے میں مضبوط ہونا) آج کے تناظر میں سیاسی اثر و رسوخ، سماجی تعلقات اور افرادی قوت پر فخر کی کھلی علامت ہے۔[4]

جب انسان دولت اور سماجی مرتبے کو اپنی ذاتی محنت کا نتیجہ سمجھ لیتا ہے، تو وہ مادیت کے سراب کا شکار ہو کر مابعد الطبیعیاتی حقائق کا انکار کرنے لگتا ہے۔ باغ والے کا یہ سیکولر مائنڈسیٹ اس آیت میں بے نقاب ہوتا ہے:

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا * وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا۔[5]

"اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنے آپ پر ظلم کرتا تھا کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہو اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو ضرور اس سے بہت اچھی جگہ پاؤں گا۔"

یہاں انسانی نفسیات کی بدترین اور تاریک ترین سطح سامنے آتی ہے۔ وہ اپنے باغ میں تکبر سے چلتے ہوئے یہ گمان کرنے لگا کہ یہ مادی نظام اور معاشی استحکام کبھی ختم نہیں ہو سکتا ("مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ") جدید سرمایہ دارانہ نظام بھی انسان کو یہی فریب دیتا ہے کہ ٹیکنالوجی، انشورنس اور معاشی پیش بندیاں انسان کو ہر آفت سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔

امام فخر الدین الرازیؒ مفاتیح الغیب میں لکھتے ہیں کہ جب انسان کا دل مادی اسباب کی محبت میں ڈوب جاتا ہے، تو وہ ان اسباب کو ازلی اور ابدی سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کا انکار اس کی فطرت بن جاتا ہے۔[6] اس شخص نے یہاں پر بس نہیں کیا، اس نے قیامت کا بھی انکار کر دیا۔ اس کا یہ کہنا کہ اگر کوئی آخرت ہوئی بھی تو مجھے وہاں بھی ایسا ہی رتبہ ملے گا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ تکبر انسان کی عقل کو اس حد تک اندھا کر دیتا ہے کہ وہ دنیاوی دولت کو خدا کی رضا کی حتمی دلیل سمجھنے لگتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ چونکہ وہ دنیا میں خوشحال ہے، لہٰذا خدا اس سے راضی ہے اور آخرت میں بھی اسے مراعات ملیں گی۔ حالانکہ قرآنی فلسفہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی دولت

انعام نہیں، ایک کڑی آزمائش ہے۔[7]

حقیقی سرمائے کا تصور اور شکر گزاری کا معاشی فلسفہ: آیات 37 تا 44 کا تجزیاتی مطالعہ

سرمایہ دارانہ ذہنیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے طبقاتی غرور کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو اپنے ہم جنسوں کے سامنے ایک فرعونی تمکنت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سورت کہف کے اس مقام پر جب اس باغ والے شخص نے اپنے مادی اثاثوں پر فخر کرتے ہوئے اپنی ابدی کامیابی کا دعویٰ کیا، تو اس کے غریب مگر صاحبِ ایمان دوست نے اس نظریاتی یلغار کا جس نفسیاتی اور فکری پختگی کے ساتھ جواب دیا، وہ اسلامی معاشیات اور قرآنی عمرانیات کا ایک عظیم الشان باب ہے۔

اس غریب دوست نے احساسِ کمتری کا شکار ہو کر مادی مرعوبیت قبول کرنے کے بجائے بحث کا زاویہ ہی تبدیل کر دیا۔ اس نے دولت کی مقدار پر بحث کرنے کے بجائے انسان کی حیاتیاتی اور مابعد الطبیعیاتی حقیقت کو سامنے رکھ کر اس کے تکبر کی بنیادوں پر ضرب لگائی۔ قرآنِ مجید اس ایمانی مکالمے کا آغاز ان الفاظ میں کرتا ہے:

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا۔[8]

"اس کے دوست نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم اس (خدا) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تم کو پورا مرد بنایا۔"

یہاں غریب دوست نے اس مادی تکبر کا علاج انسان کی کیمیائی اور حیاتیاتی ابتداء کی یاددہانی سے کیا ہے۔ جب انسان اپنی تخلیق کے ادنیٰ ترین مراحل، یعنی حقیر مٹی اور ایک بوند پانی کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے، تو اس کے اندر موجود فرعونیت خود بخود پاش پاش ہو جاتی ہے۔ مفسرِ قرآن امام فخر الدین الرازی نے مفاتیح الغیب میں اس نفسیاتی وار کی نہایت خوبصورت تشریح کی ہے کہ غریب دوست نے مال و دولت کی حقیقت کو انسان کے وجود کی عارضی حیثیت سے جوڑ کر ثابت کیا کہ جس وجود کی اپنی ابتدا اتنی حقیر اور محتاج ہو، اسے ان مادی باغوں کی پائیداری پر تکبر کس طرح زیب دیتا ہے۔[9]

انسانی غرور اور حقیقتِ کائنات کے اس ٹکراؤ کو علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں نہایت گہرائی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا　　فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ[10]

جرمن نژاد امریکی ماہرِ نفسیات اور ماہرِ عمرانیات ایرک فرام نے سرمایہ دارانہ ذہنیت اور انسانی شناخت کے بحران پر ایک انتہائی چشم کشا حقیقت بیان کی ہے، جو باغ والے کے اس بحران پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"If I am what I have and if what I have is lost, who then am I[11]"

اگر میری پہچان وہ ہے جو میری ملکیت ہے اور اگر میری ملکیت ہی چھن جائے، تو پھر میں کون ہوں؟

یہی وہ شناختی بحران تھا جس کا شکار باغ والا شخص ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی پوری انسانیت اور شناخت کو اپنے باغوں اور جتھے سے وابستہ کر لیا تھا۔ اس کے جواب میں ایماندار دوست نے اپنا تعارف اور اپنا حقیقی سرمایہ یوں پیش کیا:

لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا۔[12]

"مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

ایماندار شخص کا یہ اعلان دراصل حقیقی سرمائے کا اعلان تھا۔ اس نے واضح کیا کہ تم نے اپنی دولت کو اپنا خدا بنا کر شرک کا ارتکاب کیا ہے، جبکہ میرا کل اثاثہ میری توحید ہے۔ یہاں شرک سے مراد بتوں کی پوجا نہیں ہے، بلکہ دنیاوی اسباب، سرمائے اور افرادی قوت کو اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلے میں مستقل بالذات سمجھ لینا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی باطنی غنا اور حقیقی سرمائے کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔[13]

"حقیقی مالداری دنیا کے ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، حقیقی مالداری تو دل کی مالداری ہے۔"

اس نظریاتی دفاع کے بعد وہ صاحبِ ایمان انسان اسے شکر گزاری کا وہ معاشی فلسفہ سمجھاتا ہے جو اسلامی معاشیات کی اصل بنیاد ہے:

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا۔[14]

"اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا۔ اگر تم مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم دیکھتے ہو۔"

یہ قرآنی الفاظ اسلامی معاشیات کا وہ سنہرا اصول ہیں جو انسانی محنت اور الٰہی توفیق کے درمیان توازن قائم کرتے ہیں۔ انسان محنت کر سکتا ہے، بیج بو سکتا ہے، نہریں کھود سکتا ہے، لیکن اس بیج کو تناور درخت بنانے اور اس میں پھل پیدا کرنے کی قوت صرف اور صرف خالقِ کائنات کے پاس ہے۔ حافظ ابنِ کثیر نے اس مقام پر تصریح کی ہے کہ مومن جب بھی کسی مادی نعمت کو دیکھتا ہے تو وہ اپنی ذاتی محنت پر غرور کرنے کے بجائے اسے اللہ کا فضل سمجھتا ہے، اور یہی اعتراف انسان کو تکبر کے زہر سے بچاتا ہے۔[15]

مگر تکبر کی پٹی آنکھوں پر اس قدر بندھی تھی کہ اسے ان نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تب ایماندار دوست نے اسے اس عذابِ الٰہی سے خبردار کیا جو معاشی تباہی کی صورت میں نازل ہوتا ہے:

فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا۔[16]

"تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے۔ یا اس کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے کسی طرح نہ لا سکو۔"

یہاں معاشی زوال اور قدرتی آفات کے معیشت پر پڑنے والے اثرات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ آج کے جدید کارپوریٹ دور میں جب ہم اسٹاک مارکیٹ کریش، عالمی معاشی بحرانوں یا قدرتی آفات کی وجہ سے راتوں رات ملٹی بلین ڈالر کی کمپنیوں کو دیوالیہ ہوتے دیکھتے ہیں، تو اس قرآنی آیت کی حقیقت مزید کھل کر سامنے آتی ہے۔ انسان اپنے سرمائے کے تحفظ کے لیے جتنے مرضی جدید نظام وضع کر لے، اگر آسمانی آفت اتر آئے یا زمین اپنا پانی نیچے کھینچ لے، تو انسان کی تمام تر سائنسی ترقی اور معاشی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

مرزا اسد اللہ خان غالب نے انسانی تدبیروں کے اسی انجام اور مادی دنیا کے دھوکے کو اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں کیا خوب باندھا ہے:

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا　　نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا[17]

جس بات کا اندیشہ تھا، بالآخر وہی ہوا اور قدرت کے خاموش مگر حتمی قانون نے اس سرمایہ دار کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ قرآنِ مجید اس تباہی کے نفاذ اور انسان کے پچھتاوے کی منظر کشی یوں کرتا ہے:

وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا۔[18]

اور اس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا تو جو کچھ اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اس پر افسوس کے مارے ہاتھ ملنے لگا اور باغ تو چھتریوں کے بل گرا پڑا تھا اور کہنے لگا اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔

آیت کے یہ الفاظ انسانی نفسیات کی بدترین بے بسی کو ظاہر کرتے ہیں۔ "يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ" (وہ اپنے دونوں ہاتھ الٹ پلٹ کر ملنے لگا) اس جسمانی رد عمل کی تصویر ہے جب انسان کا سب کچھ لٹ جاتا ہے اور اس کے پاس حسرت کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا۔ اس راتوں رات ہونے والی معاشی تباہی نے اسے وہ سبق سکھا دیا جو اس کا دوست اسے مکالمے کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی تمام تر معاشی خود کفالت اور سماجی طاقت کا طلسم ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ گیا۔

وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا۔[19]

"اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد گار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔"

جس مادی اور سیاسی جتھے ("أَعَزُّ نَفَرًا") پر وہ غرور کیا کرتا تھا، آفت کی اس گھڑی میں وہ تمام تعلقات اور سماجی رابطے بے سود ثابت ہوئے۔ قرآنی فلسفہ ہمیں بتاتا ہے کہ حقیقی طاقت، تحفظ اور سرمایہ اللہ تعالیٰ کی ولایت میں ہے۔ مادی دولت انسان کی خدمت کے لیے تخلیق کی گئی ہے، لیکن جب انسان اسے اپنا معبود بنا کر اس کے نشے میں اپنے خالق اور اپنی حیاتیاتی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، تو قدرت اسے اسی طرح بے بس کر کے دنیا کے سامنے عبرت کا نشان بنا دیتی ہے۔ مشہور جرمن مفکر اور ماہرِ معاشیات کارل مارکس نے بھی سرمائے کے اس بے رحم تسلط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

"Capital is dead labour, that, vampire-like, only lives by sucking living labour, and lives the more, the more labour it sucks[20]".

"سرمایہ مردہ محنت ہے، جو ویمپائر (خون آشام) کی طرح زندہ محنت کا خون چوس کر ہی زندہ رہتی ہے، اور جتنا زیادہ محنت کو چوستی ہے، اتنی ہی زیادہ زندہ رہتی ہے۔"

دنیا کی بے ثباتی اور مادی زندگی کا انجام: آیات 45 تا 49 کا تجزیاتی مطالعہ

باغ والے شخص کی معاشی تباہی اور اس کے تکبر کا انجام بیان کرنے کے فوراً بعد قرآنِ مجید کی گفتگو کا دھارا ایک انفرادی واقعے سے نکل کر ایک آفاقی حقیقت کی طرف مڑ جاتا ہے۔ مادی دولت کے چھن جانے کا یہ واقعہ دراصل اس عظیم تر سچائی کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسے کائنات کا ہر انسان روزمرہ زندگی میں دیکھتا ہے، مگر اپنی غفلت کے باعث اسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ دنیا کی اس بے ثباتی اور سرمایہ دارانہ نظام کے عارضی پن کو سمجھانے کے لیے قرآنِ مجید نے حیاتیات اور نباتات کا ایک انتہائی بلیغ اور سائنسی استعارہ استعمال کیا ہے۔ خالقِ کائنات انسانی زندگی کی اس پوری دوڑ کا حیاتیاتی خاکہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔[21]

"اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو جو مثل ایک پانی کے ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی پھر وہ ریزہ ریزہ ہو گئی کہ اسے ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

اس قرآنی تمثیل میں انسانی زندگی اور مادی خوشحالی کے عروج و زوال کو بادلوں سے برستے پانی اور زمین سے اگتی کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ آسمان سے بارش برستی ہے، مٹی میں چھپا ہوا بیج بیدار ہوتا ہے، خلیات تیزی سے تقسیم ہوتے ہیں اور ایک سرسبز و شاداب پودا وجود میں آجاتا ہے۔ انسان اس کی ہریالی اور جوبن کو دیکھ کر فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ بہار ابدی ہے۔ کچھ ہی عرصے بعد خلیات کے اندر موت کا عمل شروع ہوتا ہے، وہ پودا سوکھ کر زرد پڑ جاتا ہے، اس کی شاخیں بھربھری ہو کر ٹوٹنے لگتی ہیں اور بالآخر تیز ہوائیں اسے خس و خاشاک بنا کر اڑا لے جاتی ہیں۔ انسان کی پوری زندگی، اس کا سرمایہ، اس کی جوانی اور اس کے

کارپوریٹ ایمپائرز اسی حیاتیاتی چکر کا حصہ ہیں جو اپنے عروج کو پہنچنے کے بعد مٹ جانے کے پابند ہیں۔

مشہور عرب شاعر ابو اسحاق اسماعیل بن قاسم ابوالعتاہیہ نے انسان کی اسی غفلت اور مادی سراب کی حقیقت کو کیا خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے:

لِدُوا لِلمَوتِ وَابنوا لِلخَرابِ　　فَكُلُّكُمُ يَصيرُ إِلى تَبَابِ[22]

تم موت کے لیے پیدا ہوتے ہو اور بربادی کے لیے تعمیر کرتے ہو، تم سب کو بالآخر تباہی کی طرف ہی جانا ہے۔

قرآن کا یہ اسلوب ظاہر کرتا ہے کہ جو شخص اپنی پہچان اور اپنا فخر ان عارضی چیزوں کو بنالے جو خود ہوا کے ایک جھونکے کی مار ہیں، اس سے بڑا احمق کائنات میں کوئی نہیں۔ اسی لیے اگلی ہی آیت میں انسانیت کو حقیقی سرمائے کی پہچان کروائی گئی:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا۔[23]

"مال اور اولاد تو دنیا کی زندگی کی رونق ہیں، اور تیرے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ثواب اور آخرت کی امید کے لحاظ سے بہتر ہیں۔"

اردو ادب کے صوفی شاعر خواجہ میر درد نے انسانی وجود کی اس بے ثباتی اور امیدوں کے ٹوٹنے کے کرب کو نہایت دلگداز پیرائے میں بیان کیا ہے:

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا　　خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا[24]

مادی دنیا کے اس زوال کا حتمی نتیجہ یومِ حساب کی صورت میں سامنے آتا ہے، جب انسان کے پاس اس کی دولت اور جتھے کے بجائے صرف اس کے اعمال کا ریکارڈ بچتا ہے۔ نفسیاتی دباؤ اور خوف کی انتہا کو بیان کرتی ہوئی یہ منظر کشی دلوں کو دہلا دینے والی ہے:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا۔[25]

اور اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا پھر تو مجرموں کو دیکھے گا اس چیز سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہے اور کہیں گے افسوس ہم پر یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ اس نے کوئی چھوٹی یا بڑی بات نہیں چھوڑی مگر سب کو محفوظ کیا ہوا ہے، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب کو موجود پائیں گے، اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

آیتِ مبارکہ میں لفظ "مُشْفِقِينَ" استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب ایک ایسا شدید اور کانپتا ہوا خوف ہے جو انسان کی روح کو اندر تک چیر دے۔ یہ وہ مجرم ہیں جو دنیا میں اپنے محلات اور دولت کے نشے میں بے خوف زندگی گزارتے تھے۔ فرانسیسی فلسفی مشیل فوکو نے انسانوں کی نگرانی اور اس سے پیدا ہونے والے نفسیاتی دباؤ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مشہور نظریہ "پینوپٹیکون" میں ایک بڑی چشم کشا بات کہی ہے:

"The panoptic mechanism arranges spatial unities that make it possible to see constantly and to recognize immediately[26]".

"نگرانی کا یہ طریقہ کار ایسی مقامی اکائیوں کو ترتیب دیتا ہے جو مسلسل دیکھنے اور فوری طور پر پہچان لینے کو ممکن بنا دیتی ہیں۔"

فوکو کا یہ نظریہ انسانوں کے بنائے ہوئے مادی اور محدود نگرانی کے نظام سے متعلق ہے، جس کا خوف انسان کو جرائم سے باز رکھتا ہے۔ الٰہی نظام کی اس ہمہ گیر اور بے عیب کائناتی نگرانی کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دار، جو اپنے کالے دھن اور جرائم کو چھپانے کے ہتھکنڈے جانتے تھے، اس طرح لرز رہے ہوں گے کہ ایک ذرے کے برابر کی گئی ان کی حرکت بھی وہاں موجود ہو گی۔

سرمایہ دارانہ رویوں اور ابلیس کے طرزِ عمل کا تقابلی جائزہ: آیات 50 تا 53 کا تجزیاتی مطالعہ

قرآنِ مجید انسانی نفسیات کی تہیں کھولنے میں وہ کمال رکھتا ہے کہ جہاں قاری کو بظاہر دو مختلف واقعات محسوس ہوتے ہیں، وہاں باطن میں ایک انتہائی گہرا اور منطقی ربط موجود ہوتا ہے۔ باغ والے شخص کی دولت پر مبنی فرعونیت اور اس کی تباہی کا ذکر کرنے کے فوراً بعد، کلامِ الٰہی اچانک انسانی تاریخ کی اس پہلی صبح کی طرف مڑ جاتا ہے جب تکبر کے اس مرض نے سب سے پہلے جنم لیا تھا۔ کائنات میں غرور کی سب سے پہلی بنیاد مادی سرمائے پر نہیں بلکہ پیداواری عنصر اور نسلی برتری پر رکھی گئی تھی۔ آسمانوں کی ان بلندیوں پر پیش آنے والے اس ابدی معرکے کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۖ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا۔[27]

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا سو اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو کارساز بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، بے انصافوں کو برا بدل ملا۔"

باغ والے شخص کے رویے اور ابلیس کے رویے میں ایک بہت گہری نفسیاتی قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ باغ والے نے اپنے دوست کو حقیر سمجھتے ہوئے کہا تھا "أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا" (میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں) اور بالکل یہی جملہ ابلیس نے بارگاہِ الٰہی میں بولا تھا کہ "أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ" (میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے)۔ دونوں کا مرض ایک ہی تھا: "میں" یعنی انا کا جھوٹا خول، اور دونوں نے اپنی برتری کا معیار ایک ظاہری اور مادی عنصر کو بنایا۔ باغ والے کے نزدیک برتری کا معیار سونا اور زمین تھی، جبکہ ابلیس کے نزدیک برتری کا معیار آگ تھی۔

مشہور آسٹریائی ماہرِ نفسیات الفریڈ ایڈلر نے انسانی غرور کی تشریح کرتے ہوئے اس بیماری کی جڑوں کو جس طرح واضح کیا ہے، وہ ابلیس اور اس سرمایہ دار، دونوں پر پوری طرح صادق آتا ہے:

"The superiority complex is a second-phase psychological mechanism in which feelings of inferiority are compensated for by a belief that one is superior to others[28]".

"برتری کا احساس (کمپلیکس) دراصل ایک ثانوی نفسیاتی طریقہ کار ہے جس میں انسان اپنی اندرونی کمتری کے احساسات کا ازالہ اس یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہے۔"

چاہے جدید دور کی نسل پرستی ہو، خاندانی تفاخر ہو، یا کارپوریٹ سیکٹر میں مادی سرمائے کا غرور ہو، ان سب کی جڑیں اسی ابلیسی سوچ میں پیوست ہیں۔ یہ وہ آگ ہے جو انسان کے اپنے باطن کو راکھ کر دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انسانیت کے اس سب سے خطرناک اور روحانی ہلاکت کے سبب بننے والے مرض پر انتہائی سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔[29]

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔"

مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں انسان کے اندر چھپے ہوئے اس تکبر کو تمام بتوں کی ماں قرار دیا ہے۔ بیرونی بتوں کو توڑنا تو بہت آسان ہے، لیکن انسان کے اندر کا یہ ابلیسی بت جب تک نہیں ٹوٹتا، حقیقی ایمان دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ آپ فرماتے ہیں:

مادرِ بت ہا بتِ نفسِ شماست　　زاں کہ آں بت مار و ایں بت اژدہاست[30]

"تمام بتوں کی ماں تمہارے اپنے نفس کا بت ہے، کیونکہ وہ ظاہری بت محض ایک سانپ کی مانند ہیں جبکہ یہ نفس کا بت ایک خونخوار اژدہا ہے۔"

انسانی تاریخ میں جب بھی انسان نے مٹی، رنگ، نسل یا سرمائے کو اپنی فضیلت کا معیار بنایا ہے، وہ درحقیقت اسی ابلیسی روایت کو زندہ کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں اسی غفلت کی طرف نشاندہی کی ہے کہ جس دشمن (ابلیس) نے تمہارے جدِ امجد کے خلاف اس تکبر کی بنیاد رکھی اور تمہیں مٹی کا ہونے کا طعنہ دیا، آج تم اسی کی روش اختیار کر کے اسے اپنا کارساز اور رہبر بنا رہے ہو۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے انسان کی اسی عظمت کو پہچاننے اور ابلیسی ہتھکنڈوں سے بچنے کا کیا دلنشین درس دیا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے[31]

مادی الحاد اور انسانی نفسیات پر اس کے اثرات

باغ والے شخص کے معاشی تکبر اور ابلیس کے نسلی تفاخر کا موازنہ کرنے کے بعد، قرآنِ مجید فکری کج روی کی اس اصل جڑ کو بے نقاب کرتا ہے جہاں سے یہ تمام باطنی گمراہیاں جنم لیتی ہیں۔ جب انسان خود کو مادی اسباب کا حقیقی خالق سمجھ بیٹھتا ہے، تو وہ کائنات کے مابعد الطبیعیاتی حقائق سے کٹ جاتا ہے۔ یہ حالت ایک ایسے فکری الحاد کی طرف لے جاتی ہے جہاں وہ وحی الٰہی کے مقابلے میں اپنی ناقص عقل کو حتمی کسوٹی مان لیتا ہے۔ قرآنِ مجید انسانی عقل کی اس لغزش اور علمی حد بندی کو ان الفاظ میں واضح کرتا ہے:

مَّا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا[32]

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔ اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔"

اس آیتِ مبارکہ میں جدید سائنسی الحاد اور مادی مائنڈ سیٹ کے علمی دعووں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ مادی الحاد کے داعی کائنات کی مادی تفہیم اور انسانی وجود کے مابعد الطبیعیاتی سفر پر ایسے قطعی فیصلے صادر کرتے ہیں جیسے وہ کائنات کی تخلیق کے عینی شاہد رہے ہوں۔ اللہ رب العزت نے واضح فرمایا کہ جو وجود خود اپنی ہی تخلیق کے وقت غائب تھا، وہ کائنات کے ازلی و ابدی قوانین پر حتمی رائے دینے کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔

نوبل انعام یافتہ معروف معاشی فلسفی اور ماہرِ عمرانیات فریڈرک ہائیک نے انسانی عقل کے اسی جھوٹے دعویٰ کنٹرول اور مادی مغالطے پر تنقید کرتے ہوئے اپنے مقالے میں لکھا ہے:

"The pretence of knowledge is the false belief that we can rationally design and control complex social systems without acknowledging our epistemic limitations[33]".

"علم کا جھوٹا دعویٰ دراصل یہ غلط عقیدہ ہے کہ ہم اپنی علمی حدود کا اعتراف کیے بغیر پیچیدہ سماجی نظاموں کو منطقی طور پر ترتیب اور کنٹرول کر سکتے ہیں۔"

باغ والا شخص بھی اسی علمی مغالطے کا شکار ہو کر اپنے معاشی نظام کو زوال سے محفوظ سمجھ رہا تھا۔ مادی خوشحالی انسان کے باطن میں یہ وہم پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنے زورِ بازو پر ہر چیز کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ یہ الحادی سوچ اسے اخلاقی جواب دہی سے آزاد کر دیتی ہے، جس کا حتمی نتیجہ معاشرے میں بے حسی اور کمزوروں کے استحصال کی صورت میں نکلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کو ظاہری اسباب اور مادی چمک دمک کے اس نفسیاتی فریب سے نکالنے کے لیے باطنی پاکیزگی

کا یہ سنہرا اصول بیان فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔[34]

"بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔"

معاشرتی تقسیم، نسل پرستی اور خاندانی غرور

ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار محض ایک وقتی نافرمانی کا واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ دنیا میں جنم لینے والے تمام تر طبقاتی تفاخر، نسل پرستی اور قوم پرستانہ عصبیتوں کا نقطۂ آغاز تھا۔ ابلیس نے اپنے مادی جوہر (آگ) پر فخر کر کے مٹی کے وجود کو حقیر سمجھا۔ بالکل اسی ابلیسی سوچ کے زیرِ اثر، باغ والے شخص نے اپنے غریب دوست کے خاندان، مادی جتھے اور خاندانی عصبیت کو نشانہ بناتے ہوئے کہا تھا کہ "أَعَزُّ نَفَرًا" (میں خاندانی اور سماجی جتھے کی رو سے تجھ سے زیادہ طاقتور ہوں) علامہ القرطبیؒ ابلیسی اور مادی عصبیت کے اس بھیانک گٹھ جوڑ کی لغوی اور تفسیری وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كل من تكبر برأيه أو نسبه أو ماله على غيره فقد اتبع سنّة إبليس في قوله أنا خير منه، وهذا هو أصل العصبية المذمومة التي تهدم بنيان المجتمع۔[35]

"جس کسی نے بھی اپنی رائے، اپنے نسب یا اپنے مال کی وجہ سے دوسرے پر تکبر کیا، اس نے ابلیس کی اس سنت کی پیروی کی جس نے کہا تھا کہ 'میں اس سے بہتر ہوں'؛ اور یہی وہ قابلِ مذمت عصبیت کا اصل سرچشمہ ہے جو انسانی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔"

انسانی تاریخ میں جب بھی کسی گروہ نے مادی سرمائے، خاندانی حسب نسب یا جغرافیائی عصبیت کو اپنی برتری کا معیار بنایا ہے، معاشرے میں شدید طبقاتی کشمکش نے جنم لیا ہے۔ دورِ جدید کا جاگیر دارانہ نظام اور مخصوص خاندانی عصبیتیں اسی ابلیسی سوچ کی بدترین مثالیں ہیں۔ انسانوں کو ان کی ذات، رنگ اور مالی حیثیت کی بنیاد پر تقسیم کرنا خالقِ کائنات کے قائم کردہ مساوات کے اصول کی صریح خلاف ورزی ہے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے مادی و نسلی بتوں کو پاش پاش کرنے اور ابلیسی عصبیتوں کے متبادل کے طور پر آفاقی توحیدی فکر کو اپنانے کی دعوت دیتے ہوئے کیا خوبصورت فکری پیغام دیا ہے:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی[36]

مادی تسلط کے مقابلے میں فکری آزادی

مادی استعمار اور سرمایہ دارانہ ہوس کا سب سے زہر آلود پہلو یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کے کمزور اور غریب طبقات کو ذہنی مغلوبیت اور احساسِ کمتری کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔ غریب انسان خود کو امیر کے مادی جاہ و جلال کے سامنے بے بس اور کم تر محسوس کرنے لگتا ہے۔ سورت کہف کا یہ ایمانی مکالمہ اس ذہنی غلامی سے نجات کا ایک بے مثال اور ابدی ضابطہ پیش کرتا ہے۔

صاحبِ ایمان دوست معاشی طور پر مغلوب ہونے کے باوجود فکری حریت کا پیکر تھا۔ اس نے امیر دوست کے محلات اور باغات سے مرعوب ہونے کے بجائے اپنے فکری استقلال اور ایمانی وقار کو برقرار رکھا۔ وہ اس مادی چکاچوند کے سامنے جھکنے کے بجائے اسے ایک عارضی امتحان سمجھتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس مادی دنیا کی حیثیت اور مومن کے باطنی وقار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ[37]

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مومن اس عارضی مادی دنیا کو اپنا آخری مقصد نہیں بناتا، بلکہ وہ اپنے باطن کو الٰہی احکامات کے نور سے منور رکھتا ہے۔ غریب دوست نے اپنی غربت کو اپنی کمزوری نہیں بننے دیا، اس نے ثابت کیا کہ اصل قوت باغات کی پیداوار میں نہیں بلکہ باطنی ایمانی اثاثے میں ہے۔

علامہ محمد اقبال نے مومن کے اسی باطنی استقلال، فکری حریت اور حق گوئی کو اپنی شاعری کا مستقل عنوان بنایا ہے۔ وہ مادی نظام کے تھوپے گئے خوف سے آزاد مردِ مومن کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی[38]

جب معاشرے کا کمزور طبقہ مادی مرعوبیت سے آزاد ہو کر اخلاقی اور نظریاتی بنیادوں پر امیر طبقے کی مادی فرعونیت کا محاسبہ کرنے لگتا ہے، تو مادی سرمائے کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے۔ قرآنی ضابطہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ فکری آزادی کا سفر اپنے باطن کو ابلیسی تکبر سے پاک کرنے اور مادی اسباب کو ایک عارضی امانت تسلیم کرنے سے ہی شروع ہوتا ہے۔

جدید کارپوریٹ کلچر اور اسلامی معیشت

جدید سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کو جس طبقاتی تفریق اور بے حسی کی طرف دھکیل رہا ہے، سورت کہف کا یہ قصہ اس کا ایک بے باک اور حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کرتا ہے۔ موجودہ کارپوریٹ کلچر میں انسان کی کامیابی کا معیار اس کے بینک بیلنس، جائیداد اور مادی اثاثوں کو بنا دیا گیا ہے۔ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اور عالمی معاشی ادارے اسی باغ والے شخص کی طرح اپنے وسائل پر غرور کرتے ہیں، اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی ٹیکنالوجی اور معاشی پیش بندیاں انہیں ہر زوال سے محفوظ رکھیں گی۔ یہ معاشی تفاخر معاشرے کے غریب اور پسماندہ طبقات میں شدید احساسِ محرومی پیدا کرتا ہے۔

اس طبقاتی کشمکش کے حوالے سے کارل مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام پر کڑی تنقید کرتے ہوئے طبقاتی جدوجہد کا نظریہ پیش کیا تھا۔ وہ اپنے معاشی فلسفے میں لکھتا ہے:

"The history of all hitherto existing society is the history of class struggles[39]".

"آج تک کے تمام موجودہ معاشروں کی تاریخ دراصل طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے۔"

مارکس نے معاشرے کو سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیم کر کے اس مسئلے کا حل ایک خونی انقلاب اور ذرائع پیداوار پر قبضے میں تلاش کیا۔ اسلام اس طبقاتی تفریق کا حل معاشی چھینا جھپٹی یا طبقاتی نفرت میں نہیں ڈھونڈتا، وہ انسان کے قلب کی اصلاح کرتا ہے۔ قرآن مجید اس استحصالی نظام کی جڑ کاٹتے ہوئے دولت کی منصفانہ تقسیم کا اصول ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ۔[40]

"تاکہ (یہ مال) تمہارے مالداروں ہی کے ہاتھ میں نہ گردش کرتا رہے۔"

اسلامی نظامِ معیشت میں دولت کمانا ممنوع نہیں ہے، البتہ اس دولت کو بنیاد بنا کر دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اسے اپنی ذاتی محنت کا حتمی نتیجہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل ہو جانا ایک سنگین روحانی مرض ہے۔ باغ والے کا اصل جرم اس کی دولت نہیں تھی، اس کا وہ غرور تھا جس نے اسے اپنے دوست اور اپنے رب کے سامنے متکبر بنا دیا تھا۔ جدید دور کا انسان دولت کو جمع کرنے اور گن گن کر رکھنے کی جس اندھی ہوس کا شکار ہے، قرآنِ مجید اس کی نفسیاتی کیفیت کو یوں بے نقاب کرتا ہے:

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ * يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ۔[41]

"جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ جان بچائے گا۔"

یہاں "يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ" کے الفاظ بعینہٖ باغ والے شخص کے اس جملے "مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا" (میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو) کی عکاسی کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام انسان کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ دولت اسے موت اور زوال سے بچالے گی، حالانکہ موت کے فرشتے کے سامنے بڑے سے بڑا کارپوریٹ ایمپائر بھی ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے سرمایہ دارانہ نظام کے اس مکر اور غریب کے استحصال کو نہایت درد انگیز الفاظ میں بیان کیا ہے:

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار　　انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات[42]

جدید دنیا میں دولت جمع کرنے کی یہ ہوس انسان کو قبر کی دہلیز تک غافل رکھتی ہے۔ کارپوریٹ اہداف، منافع کی اندھی دوڑ اور اثاثوں میں اضافے کی یہ تمنا انسان کو زندگی کے اصل مقصد سے دور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس غفلت کی حقیقت کو نہایت واضح الفاظ میں کھول کر بیان کیا ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۔ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔[43]

"(لوگو!) تم کو مال کی بہتات نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔"

انسانی نفسیات کا یہ المیہ ہے کہ مادی وسائل کی فراوانی اکثر باطنی کھوکھلے پن کا سبب بنتی ہے۔ دورِ حاضر کے معروف فلسفی ژاں بودریار نے صارفیت کے معاشرے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جدید انسان چیزوں کو ان کی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ ان کی سماجی علامت کے لیے خریدتا ہے تاکہ وہ دوسروں پر اپنی برتری ثابت کر سکے[44]۔ باغ والا شخص بھی اپنے باغ اور جتھے کو ایک سماجی علامت کے طور پر استعمال کر کے اپنے دوست پر رعب ڈال رہا تھا۔

انسان کا حقیقی سرمایہ وہ نہیں جو اس کے بینک اکاؤنٹس یا جائیداد کی صورت میں موجود ہے، حقیقی سرمایہ وہ ہے جو اس نے شکر گزاری، انفاق اور انسانیت کی خدمت کی صورت میں آگے بھیجا ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے مال کی اس حقیقت اور انسان کی لالچ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي، إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ: مَا أَكَلَ فَأَفْنَى، أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى، أَوْ أَعْطَى فَاقْتَنَى[45]

"بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کا حصہ صرف تین چیزیں ہیں: جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) محفوظ کر لیا۔"

مشہور صوفی شاعر خواجہ میر درد نے انسانی لالچ، مادی دنیا کی بے ثباتی اور سرمایہ دارانہ غرور کے انجام کو ایک شعر میں یوں سمیٹ دیا ہے:

یہیں رہ جائیں گے محلات وزر اے غافل　　کفن میں جیب نہیں ہوتی، جنازے میں کھزانہ نہیں[46]

دورِ جدید کا انسان اس قرآنی مکالمے سے یہ گہرا سبق سیکھتا ہے کہ مادی اسباب کو کامیابی کی حتمی دلیل سمجھنا ایک بہت بڑا فریب ہے۔ سرمایہ اور وسائل دراصل خالقِ کائنات کی طرف سے دی گئی ایک امانت ہیں۔ جب انسان خود کو اس امانت کا حقیقی مالک سمجھنے لگتا ہے تو وہ تکبر کا شکار ہوتا ہے، اور یہی تکبر اس کے معاشی اور روحانی زوال کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

نتائجِ بحث

زیرِ نظر تحقیقی اور تجزیاتی مطالعے کے تمام تر مباحث اور دلائل کا عمیق جائزہ لینے کے بعد، اس مقالے کے جو حتمی نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں، انہیں درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

1. سرمایہ دارانہ ذہنیت اور مادی وسائل کی کثرت پر فخر کرنا ایک شدید روحانی اور نفسیاتی مرض ہے جو انسان کو خدا فراموشی کی طرف لے جاتا ہے۔
2. سورت کہف کی دو باغوں کی تمثیل جدید کارپوریٹ کلچر کی قلعی کھولتی ہے اور بتاتی ہے کہ مادی خود کفالت کا احساس انسان کو آخرت کے انکار پر مجبور کر دیتا ہے۔
3. مادی تفاخر اور نسلی برتری دونوں ایک ہی ابلیسی تکبر کی مختلف شاخیں ہیں جس کی بنیاد انا اور ظاہری برتری کے جھوٹے خول پر رکھی گئی ہے۔
4. انسان کا حقیقی سرمایہ اس کے بینک اکاؤنٹس یا جائیداد نہیں بلکہ وہ اعمال ہیں جو شکر گزاری اور انسانیت کی خدمت کی صورت میں آگے بھیجے جاتے ہیں۔
5. قرآنی نظامِ معیشت طبقاتی کشمکش کا حل دولت کی مساویانہ تقسیم، انفاق فی سبیل اللہ اور مال کو امانت سمجھنے کے فلسفے میں تلاش کرتا ہے۔
6. مادی وسائل پر بھروسہ کرنے کے بجائے الٰہی توفیق کا اعتراف ہی وہ واحد راستہ ہے جو معاشرے کو استحصال اور اخلاقی زوال سے بچا سکتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

اس تحقیقی مطالعے کے نتائج اور عصری تقاضوں کی روشنی میں معاشرے، پالیسی سازوں اور تعلیمی اداروں کے لیے درج ذیل عملی سفارشات اور تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

1. تعلیمی اداروں کے نصاب میں اسلامی معاشیات اور شکر گزاری کے فلسفے کو لازمی شامل کیا جائے تاکہ طلبہ سرمایہ دارانہ نظام کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں۔
2. کارپوریٹ سیکٹر میں کام کرنے والے افراد کی اخلاقی تربیت کے لیے باقاعدہ فکری ورکشاپس منعقد کی جائیں جو انہیں دولت کے تکبر سے بچنے کی عملی ترغیب دیں۔
3. ذرائع ابلاغ کو پابند کیا جائے کہ وہ مادی نمائش اور طبقاتی تفاخر پر مبنی اشتہارات کی حوصلہ شکنی کر کے سادگی اور قناعت کو فروغ دیں۔
4. مساجد کے منبر و محراب سے مال کی بے ثباتی اور انفاق فی سبیل اللہ کے موضوعات پر تسلسل کے ساتھ علمی خطبات کا اہتمام کیا جائے۔
5. ریاستی سطح پر معاشی پالیسیوں کی تشکیل میں زکوٰۃ و صدقات کا نظام نافذ کر کے دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔
6. نوجوانوں کو اس حقیقت کا شعور دیا جائے کہ کامیابی کا معیار ظاہری اثاثے نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت اور خالقِ کائنات کے احکامات کی پیروی ہے۔

References

[1] Al-Qurʾān, 18:32.

[2] Al-Ṭabarī, Abū Jaʿfar Muḥammad ibn Jarīr ibn Yazīd, *Jāmiʿ al-Bayān ʿan Taʾwīl Āy al-Qurʾān*, taḥqīq: Aḥmad Muḥammad Shākir (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 2000), 15:240.

[3] Al-Qurʾān, 18:34.

[4] Al-Saʿdī, ʿAbd al-Raḥmān ibn Nāṣir ibn ʿAbd Allāh, *Taysīr al-Karīm al-Raḥmān fī Tafsīr Kalām al-Mannān*, taḥqīq: ʿAbd al-Raḥmān ibn Muʿallā al-Luwayḥiq (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1st ed., 1420 AH/2000), p. 479.

[5] Al-Qurʾān, 18:35.

[6] Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn ʿUmar ibn al-Ḥusayn, *Mafātīḥ al-Ghayb (Al-Tafsīr al-Kabīr)* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 3rd ed., 1420 AH), 21:104.

[7] Al-Qurṭubī, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Aḥmad ibn Abī Bakr al-Anṣārī, *Al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān*, taḥqīq: Aḥmad al-Bardūnī and Ibrāhīm Aṭfayyish (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 2nd ed., 1384 AH/1964), 10:403.

[8] Al-Qurʾān, 18:37.

[9] Al-Rāzī, *Mafātīḥ al-Ghayb*, 21:105.

[10] Iqbāl, Muḥammad, *Ḍarb-e-Kalīm*, in *Kulliyāt-e-Iqbāl* (Lahore: Iqbāl Academy Pakistan, 2005), p. 521.

[11] Fromm, Erich, *To Have or to Be?* (New York: Harper & Row, 1976), p. 76.

[12] Al-Qurʾān, 18:38.

[13] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Riqāq (Beirut: Dār Ṭawq al-Najāh, 1st ed., 1422 AH), 8:95, ḥadīth no. 6446.

[14] Al-Qurʾān, 18:39.

[15] Ibn Kathīr, Abū al-Fidāʾ ʿImād al-Dīn Ismāʿīl ibn ʿUmar ibn Kathīr al-Qurashī al-Dimashqī, *Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm*, taḥqīq: Sāmī ibn Muḥammad Salāmah (Riyadh: Dār Ṭaybah li-al-Nashr wa-al-Tawzīʿ, 2nd ed., 1420 AH/1999), 5:153.

[16] Al-Qurʾān, 18:40.

[17] Ghālib, Asad Allāh Khān, *Dīwān-e-Ghālib* (Lahore: Sang-e-Mīl Publications, 2008), p. 124.

[18] Al-Qurʾān, 18:42.

[19] Al-Qurʾān, 18:43.

[20] Marx, Karl, *Capital: A Critique of Political Economy*, vol. 1 (London: Penguin Books, 1990), p. 342.

[21] Al-Qurʾān, 18:45.

[22] Abū al-ʿAtāhiyah, Abū Isḥāq Ismāʿīl ibn al-Qāsim, *Dīwān Abī al-ʿAtāhiyah* (Beirut: Dār Ṣādir, 1995), p. 42.

[23] Al-Qurʾān, 18:46.

[24] Dard, Khwājah Mīr, *Dīwān-e-Dard* (New Delhi: Maktabah Jāmiʿah, 1993), p. 88.

[25] Al-Qurʾān, 18:49.

[26] Foucault, Michel, *Discipline and Punish: The Birth of the Prison*, trans. Alan Sheridan (New York: Vintage Books, 2nd ed., 1995), p. 200.

[27] Al-Qurʾān, 18:50.

[28] Adler, Alfred, *The Science of Living* (London: Routledge, 2013), p. 95.

[29] Muslim, Abū al-Ḥusayn Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Īmān, Bāb Taḥrīm al-Kibr wa-Bayānih (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1991), 1:93, ḥadīth no. 91.

[30] Rūmī, Jalāl al-Dīn Muḥammad ibn Muḥammad, *Mathnawī Maʿnawī*, daftar 1 (Tehran: Maṭbaʿah Kārkhānah-ye Tujjār-e Kutub, 1373 AH), p. 45.

[31] Iqbāl, Muḥammad, *Bāng-e-Darā*, in *Kulliyāt-e-Iqbāl* (Lahore: Iqbāl Academy Pakistan, 2005), p. 307.

[32] Al-Qurʾān, 18:51.

[33] Hayek, Friedrich A., "The Pretence of Knowledge," Nobel Memorial Lecture (Stockholm, 11 December 1974), p. 3.

[34] Muslim, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Birr wa-al-Ṣilah wa-al-Ādāb (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1991), 4:1987, ḥadīth no. 2564.

[35] Al-Qurṭubī, *Al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān*, 10:382.

[36] Iqbāl, *Bāng-e-Darā*, p. 264.

[37] Muslim, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Zuhd wa-al-Raqāʾiq (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1991), 4:2272, ḥadīth no. 2959.

[38] Iqbāl, Muḥammad, *Bāl-e-Jibrīl*, in *Kulliyāt-e-Iqbāl* (Lahore: Iqbāl Academy Pakistan, 2005), p. 312.

[39] Marx, Karl, and Friedrich Engels, *The Communist Manifesto*, ed. Gareth Stedman Jones (London: Penguin Classics, 2002), p. 219.

[40] Al-Qurʾān, 59:7.

[41] Al-Qurʾān, 104:2.

[42] Iqbāl, *Bāng-e-Darā*, p. 260.

[43] Al-Qurʾān, 102:1.

[44] Baudrillard, Jean, *The Consumer Society: Myths and Structures* (London: SAGE Publications, 1998), p. 76.

[45] Muslim, *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Zuhd wa-al-Raqāʾiq (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1991), 4:2273, ḥadīth no. 2959.

[46] Dard, *Dīwān-e-Dard*, p. 91.